Lesson 5: Al-Kahf (Ayaat 60-82): Day 22 سُوۡرَةُ الکھف کی تفسیر

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ فَاَرَدۡتُّ اَنۡ اَعِيۡبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا ﴿۷۹﴾ اُس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا ﴿۷۹﴾

لفظ اَرَدۡتُّ ارادہ سے ہے اس کا روٹ ر،د،د ہے، پلٹ پلٹ کر آنا، اس کے آگے پھر عزم ہوتا ہے اَعِيۡبَهَا کو اردو میں عیب کہتے ہیں عیب دار کرنا، کسی چیز میں نقص ڈال دینا۔ يَّاۡخُذُ اخذ سے ہے سَفِيۡنَةٍ سفن سے ہے اور اس کی جمع سفن ہے کشتیاں، بادبانی کشتی، کشتیوں کے لئے قرآن پاک میں جاریا، فُلک اور سفینہ کے الفاظ آئے ہیں۔

یہاں مراد ہے کہ وہ خاص کشتی تھی غَصۡبًا، غصب سے ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کا مال غصب کر لیا گیا۔ بادشاہ زبردستی کسی کی کشتی کو ہتھیا لیتا تھا۔

مسکین کی ڈیفینیشن۔

مسکین وہ نہیں ہوتا جس کے پاس کوئی مال نہ ہو بلکہ جس کے پاس مال نہ ہو وہ تو فقیر ہوتا ہے۔ مسکین وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ ایسٹس ہوں، لیکن ان کے خرچہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ جیسے یہاں اگر کشتی کی بجائے گاڑی کہہ لیا جائے تو گاڑی تو ہے، لیکن پٹرول کے لیے پیسے نہ ہوں، اس کو ٹھیک کرنے کے پیسے نہ ہوں۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا تو اس کو مرمت کرنے کے پیسے نہیں۔

سورۃ توبہ میں ہم نے زکوۃ کے مسارفین میں مسکین بھی پڑھا تھا، تو پتہ چلا کہ مسکین کو بھی زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔

بظاہر کشتی کا عیب دار ہونا ایک نقصان تھا، لیکن ان لڑکوں کو یہ نہیں پتہ تھا کہ ہمارے لیے یہ نقصان کتنا بڑا فائدے کا باعث بنے گا اور اگر کشتی چمکتی دمکتی رہے اور اگلے ہی کنارے پر اس کو بادشاہ لے جائے، دوسرے طرف یہ ہے کہ اگرچہ اس کا ظاہری حسن کم ہو گیا، لیکن وہ کشتی چلتی رہی۔ تو بہتر تو وہی ہے جو چلتی رہے۔

بعض دفعہ ایسے حالات آجائیں تو لوگوں کو سب چیزوں کو پیچھے ڈال کے ضرورت کی چیز پر آجانا چاہیئے۔ جہاں بہت زیادہ دکھاوا ہوتا ہے، وہاں اس قسم کی چیزیں آجاتی ہیں اور نظر بھی لگ جاتی ہے۔ ہاں یہ اشارہ ملتا ہے کہ نعمتوں کی بے جا نمود و نمائش نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح بچوں کو ظاہری طور پر بہت بنا سنوار کر دوسروں کو دکھانا اس سے بہتر ہے کہ اگر بچہ بہت خوبصورت ہے، تو اس کو معمولی کپڑے پہنایئے تاکہ دوسروں کی نظروں میں بہت نہ آجائے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ رہا وہ لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان کو تنگ کرے گا۔

بظاہر وہ نیک ماں باپ کا بچہ تھا لیکن اس کے نصیب میں کفر تھا اگر وہ بڑا رہتا، اور اگر ایمان والے گھر میں کفر والا بچہ پیدا ہو گیا تو خیر تو نہیں آئے گی۔ ایک تو وہ ماں باپ کو دکھ دے گا دوسرا اس بچے کو کفر پہ مرنے کا بھی عذاب ہو گا اور اگر لڑکپن میں، بچپن میں مر گیا تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ بلوغت میں پہنچنے

سے پہلے اس کو عذاب سے نجات دے دے، تو یہاں واقعات کی حکمت پتہ چل رہی ہے وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ والد اور اَب میں کیا فرق ہے۔ کہیں والدہ اور کہیں ام کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ دونوں لفظ آئے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو جو لفظ استعمال کئے ہیں اس کے پیچھے حکمت ہے۔ اتنا سمجھ لیں کہ جو والد ہے ضروری نہیں کہ وہ 'اَب' بھی ہو لیکن جو 'اَب' ہے وہ ضرور والد ہو گا، اور اسی طرح ماں کے ساتھ بھی ہے۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ ماں باپ کو اس دکھ اور صدمے سے بچالے، اور یہاں بھی یہ جملہ ادب کا بہترین شاہکار ہے اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ اللہ کا ارادہ ہے کہ ماں باپ کو اس بچے سے بہتر دے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ اس بچے کو مروادے اور اس کے بعد پھر والدین کو بہتر اولاد دے۔ یہاں بدل کی بات ہے، ام سلیم کا واقعہ ذہن میں رکھیے۔ اس کا بچہ فوت ہو گیا اور شوہر کو بغیر بتائے اس بچے کو نہلا کے رکھ دیا اور ساری ضرورتیں پوری کرنے کے بعد اگلے دن بتایا، بچہ فوت ہو چکا ہے آپ اس پر صبر کر لیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ نے آج کی رات آپ کے لئے ایک اور بچے کا انتظام کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بدلہ دے دیا۔ جب کوئی کسی دکھ پہ صبر کرتا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ جُعَلْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا تو اللہ اس کا بہتر بدل دیتا ہے اس سے پتہ چلا کہ وہ ماں باپ جن کا یہ بچہ تھا جب انہوں نے

اپنے بچے کے مرنے کی خبر سنی ہو گی تو انہوں نے اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا انتظام کیا اور جو اللہ کے ہر فیصلے کو دل سے قبول کرتا ہے تو اللہ اس کو اَنۡ یُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا بہتر بدلہ دیتا ہے۔ تو کبھی کوئی مشکل آئے تو صبر کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ فرشتے پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ جب میں نے فلاں کے پیارے کی جان لے لی، تو اُسکی خبر اُس تک پہنچی تو اُس نے کیا کہا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ عجیب بندہ ہے کہ اُس نے یہ دُکھ کی خبر سُن کے کہا کہ "الحمدُللہ" تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اچھا اُس نے ایسا کہا، تو گواہ رہنا کہ میں نے اُس کے لیئے جنت میں بیت الحمد تیار کروا دیا۔ یہ ہے اَنۡ یُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا ، زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا زکوٰۃ، پاکیزگی کے معنوں میں ہے۔ پاکیزگی سے مراد پاکیزگی نفس ہے۔ نفس کی پاکیزگی، مروت دردمندی۔ اور یہ تحفے ہیں، اس کو مانگیں؛ یا اللہ مجھے نفس کی پاکیزگی دے، میرا نفس گندی چیزوں پر نہ جائے، مجھے پرہیز گاری دے اور ساتھ ہی ساتھ وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا، شفقت میں قریب۔ لفظ رُحۡمًا پہلی دفعہ آیا ہے۔ شروع سے ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے آئے ہیں۔ اس میں بھی رحم کا لفظ ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے رحم عام رحم ہے اور رُحۡمًا میں محبت کی انتہا ہے۔ بڑوں پہ رحم آتا ہے تو بچوں پر رُحۡمًا آتا ہے یعنی شدت اور جذباتی وابستگی اور محبت کا ایک انداز ہے۔ ان کا بچہ فوت ہوا یہ کچھ چھوٹی بات نہیں تھی لیکن اللہ نے اس کے بدلے جو اُن کو دوسرا بچہ دیا اس کی محبت پہلے سے بھی زیادہ تھی۔

یہ دونوں واقعات ہمیں ایک بات کا سبق دیتے ہیں جو ہم نے سورۃ آل عمران میں بھی سیکھا تھا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۶﴾

کہو! خدایا! مُلک کے مالک! تو جسے چاہے، حکومت دے اور جسے چاہے، چھین لے جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اسم اشارہ مل گیا کہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ بندے کو دکھ کے بعد سکھ دیتا ہے، رات کے بعد صبح آتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ شر سے خیر نکالتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں بھی پڑھا تھا۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ

ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔

یہ آیت سورت بقرہ کے علاوہ سورۃ ال عمران میں بھی آئی ہے۔ پہلی جگہ انفاق فی سبیل اللہ، اللہ کے راستے میں جہاد پر مال لگانے کے سلسلے میں آیا اور دوسری دفعہ شوہر بیوی کے تعلقات میں آیا۔ تو ان دونوں واقعات میں بچے کا قتل ہونا اور کشتی کا ٹوٹنا ان دونوں کے جو صاحب تھے، ان کے لئے اور ہم سب کے لئے ایک سبق تھا، اور ہم سب کے لیے بھی ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، ضروری نہیں کہ ہمیں خیر دیکھیں تو خیر ہو شر دیکھے تو شر ہو۔

عمل کی بات یہی ہے کہ جب کسی تکلیف کا شکار ہوں، جب ہمیں کوئی تکلیف پہنچے، تو سوچئے اس کے پیچھے کیا ہے۔ اگر صبر کریں گے تو اس کے پیچھے خیر ہے اور اگر شکوہ کریں گے تو اس کے پیچھے اس سے بھی بڑی شر ہے۔ ہماری اوقات یہ ہے کہ بس مان لیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں رشتہ ہم نے استخارہ کر کے کیا تھا لیکن اس کے باوجود طلاق ہو گئی تو اس کا جواب ہے اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا ابھی کہانی

مکمل نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ استخارہ کی بدولت بعد میں آپ کو ایسی جگہ پر پہنچائے گا جہاں یہ استخارہ فٹ ہو جائے گا ہماری اوقات یہی ہے کیا اللہ کے ہر فیصلے پر کہیں رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ اللہ ہر حال میں تیرا شکر ہے، لیکن جہنمی ہونے میں شکر ادا نہیں کروں گی اس سے مجھے بچالے۔ غم، مصیبتیں، تکلیفیں، حادثے سوہانِ روح بن جاتے ہیں جب ہم اس کے سامنے اکڑنے لگتے ہیں کہ میرے ساتھ یہ سب کیوں ہے۔ اگر آپ ڈھیلا چھوڑ دیں بندگی کریں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ مالک ٹھیک ہے۔ جتنا اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑیں گے اس تکلیف کو کم محسوس کریں گے۔ تو گویا اس دو واقعات سے ہم نے یہ سیکھا کہ ہر چیز میں سے خیر کو ڈھونڈیں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ ﴿۸۲﴾

اور اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں اس دیوار کے نیچے اِن بچّوں کے لیے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچّے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے، میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کر دیا ہے یہ ہے حقیقت اُن باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے"۔

عربی زبان میں غلام کا لفظ لڑکے کے لئے آتا ہے۔ سورہ یوسف میں بھی ہم نے پڑھا تھا هٰذَا غُلَامٌ یہ کس طرح کا لڑکا ہے؟

جنت میں بھی غلام ہوں گے تو مراد یہ ہے کہ دو جوان لڑکے خوبصورت تھے اور وہ یتیم بھی تھے۔ جب ماں باپ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو وہ بچے اکیلے ہی ہو جاتے ہیں۔ اس دور میں لوگوں کے پاس

لا کر نہیں تھے، بینک میں اکاونٹس نہیں تھے۔ سونا چاندی کی شکل میں روپے ہوتے تھے۔ کاغذ کے نوٹ نہیں تھے۔ تو مال کو جمع کر کے پھر وہ زمینوں میں گڑھے کھود کر چھپا دیتے تھے۔ اسی طرح اس نیک والدین نے خزانے کو دیوار کے نیچے گہرا گڑھا کھود کر چھپایا اور ان کو یقین تھا کہ جب تک بچے جوان ہوں گے تب تک دیوار کھڑی رہے گی۔ انہوں نے تو یہ سوچا تھا لیکن اللہ کے حکم سے دیوار وقت سے پہلے گرنے والی ہو گی اگر وہ گر جاتی تو بستی والے جو اتنے کنجوس تھے وہ کھانا نہیں کھلا رہے تھے تو وہ خزانہ کیسے دیتے، یتیموں کا مال چلا جاتا، تو لہذا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا حتیٰ کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں خزانے کے نکلنے سے پہلے اور نکال لیں اپنا خزانہ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ یہ خضر علیہ السلام کا جملہ تھا۔ بہر حال اس واقعے میں حکمت یہ ہے کہ ماں باپ کی نیکی بچے کے کام آتی ہے۔ نیک ماں باپ اپنے بچوں کو دنیا سے چھوڑ کر چلیں بھی جائیں گے تو اللہ ان کا خیال رکھے گا۔ تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

1۔ حضرت مریم علیہ السلام یتیم ہو گئیں۔

2۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یتیم ہو گئے۔

3۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو تھے ہی یتیم۔

لہذا اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نیکیوں کا اثر نسلوں تک رکھتا ہے۔ اور دوسری بات یہ پتہ چلی کہ اللہ اپنے کاموں پر قادر ہے. کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دیوار ہی نہ گرتی وہ دیوار ہی مضبوط رہتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خضر سے یہ نیکی لینی تھی۔ اس سے عمل کا نکتہ یہ ہے کہ بعض دفعہ خاندانوں میں غریب اور مسکین لوگ یا جو بھی مجبور لوگ ہیں وہ ہمارے لئے نیکیوں کا ٹوکن بن جاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کا کام کر سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اس لئے نہیں کرتا کہ وہ کام ہم کر کے اس میں اجر پالیں۔

ہم سب وہ چابی بن جائیں کہ جس سے نیکیوں کے دروازے کھلیں۔ کبھی بھی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو ہلکا نہ جانیں وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت پیاری سنت نظر آتی ہے۔ بچے کا مر جانا، کشتی کا ٹوٹنا، کھانا نہ ملنا، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو رحمت کہہ رہا ہے۔ اس لئے کہ اس سے بڑی مشکل آسکتی تھی۔ یہ نعمت پھر ہمارے لئے وبال بنتی، رحمت زحمت بن جاتی ہے صرف ایک نقطہ کے فرق سے۔ اللہ کی رحمت یہ ہے کہ وہ بہت ساری زحمت والی چیزوں کو ہماری زندگی سے نکال دے۔ تو لہذا کبھی ملنے میں، اور کبھی نہ ملنے میں رحمت ہوتی ہے۔ کبھی بولنا نیکی تو کبھی نہ بولنا نیکی ہے۔ تو اللہ کی رحمت کے بڑے رنگ ہیں۔

جس طرح قوس و قزح ہوتی ہے اس میں مختلف رنگ ہوتے ہیں ا، سی طرح اللہ کے رحمت کے رنگ پہچانیں۔ ہر بندے پر مختلف قسم کی رحمت نظر آتی ہے۔ لہٰذا اپنی رحمت ڈھونڈیں۔ خضر کا یہ جملہ کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیے۔ اس سے یہ بات سمجھ آئی کہ خضرؑ فرشتے تھے یا اللہ کے ولی تھے، جو بھی تھے لیکن انہوں نے یہ سب کام اپنی مرضی سے نہیں کیے، بلکہ اللہ کے حکم سے کیئے۔ اب اس کو قیاس کر کے یہ نہیں کہا سکتا کہ پھر آج بھی کوئی ولی اللہ ایسا کر سکتا ہے۔ تو یاد رکھیئے، جب تک نبی دنیا میں موجود تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد اگر کوئی بندہ کسی خطے میں کھڑا ہو کر کسی معجزے کا اقرار کرے یا پھر کسی خواب کا ذکر کرے اُسکو نظر انداز کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں تو تاریخ میں ایک دفعہ ایسا ہوا ہے ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر چل پڑا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؛ کہنے لگا اس بیٹے کو ذبح کرنے جا رہا ہوں مجھے خواب میں حکم ملا ہے کہ اس بیٹے کو ذبح کر دو۔ تو اس وقت کے علماء اور حکومت نے اس کو پکڑا اور قید کر دیا کہ تیرے خواب کی کیا حقیقت ہے، اس کے پیچھے بہت بڑا شیطان ہے۔ نبوت کے ساتھ ہی کرامات اور معجزے ختم ہو جاتے ہیں۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ یہ ہے اصل سب باتوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ استاد نے آخر میں یہ

بات پھر کہہ دی یہ ہے وہ حقیقت تَأۡوِيلُ کا لفظ اوّل سے ہے، تو تَأۡوِيلُ اصل کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کی اصل حقیقت، یعنی یہ تھی وہ اصل حقیقت جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ خضر نے یہ کیوں کہا۔ اگر خضر علیہ اسلام یہ جملہ نہ کہتے تو اس قصے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بد گمانی آسکتی تھی کہ میرے استاد نے میرے سے علم چھپایا تو خضر علیہ السلام مَا لَمۡ تَسۡطِع عَّلَيۡهِ صَبۡرًا کہہ کر شاگرد کو یہ احساس دلایا کہ اس نہ رہنے کے اندر آپ کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ تھا۔ حقیقت میں یہ واقعہ بہت ہی ان طویل سا واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے بہت سارے علمی نقطے سمجھ آتے ہیں۔

ان آیتوں نے مجھے کیا سیکھایا؟

پہلی چیز جو اس واقعہ سے سمجھ آئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے علم کو سیکھنے کے آداب پتہ چلے

1۔ پہلا ادب یہ ہے علم سیکھنے کے لئے سچی تڑپ ہونے چاہیے، لگن ہونی چاہیے۔

2۔ آنے والے حالات اور واقعات پر غور و فکر کرنا ہے کہ ما خلقت ھذا باطلا۔

3۔ عالم الشہادہ اور عالم الغیب کا فرق سمجھنا ہے۔

4۔ تقدیر پر یقین رکھنا ہے۔

5۔ بار بار محنت کرنی ہے۔

6۔ ہمت نہیں ہارنی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہونا دوبارہ بھی کرنا پڑے تو کرنا ہے۔

7۔ اس کے بعد اللہ کے دیئے ہوئے علم کی قدر کرنی ہے۔

8۔ اور علماء کا ادب بھی نہایت ضروری ہے۔

9۔ بہترین اخلاق اور حکمت سیکھنی ہے۔

10۔استادوں سے بات کرنے کا ادب سیکھنا ہے۔

11۔استادوں کے ساتھ رہ کر بھی زندگی میں بہت علم سیکھنا ہے۔

12۔پڑھائی صرف کلاس روم تک ہی قید نہیں رکھنی۔

13۔پھر عاجزی اپنانی ہے اور نرمی لانی ہے۔

14۔بلاضرورت سوالات نہیں کرنے

15اچھی امید رکھنی ہے۔

16۔صبر کی دعا کرنی ہے ربنا افرغ علینا صبرا

17۔علم کے سفر میں کسی سے بھی بدگمان نہیں ہونا۔

18۔برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے کی بجائے اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔

19۔پڑھنے اور پڑھانے میں عجلت نہیں کرنی۔

20۔اللہ کی مدد سے صابر بنے رہنے کی امید رکھنی ہے۔

21۔علم حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دینی چاہیں۔

22۔علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا چاہیے۔

23۔علم کی شرط اول کمٹمنٹ ہے۔

24۔شیطان تو بھلوانے اور بہکانے کی کوشش کرے گا لیکن ہم نے اپنی منزل سے نظر کبھی نہیں ہٹانی، اگر بھول بھی گئے تو پھر بھی واپس اپنی منزل کی طرف ہی آنا ہے۔

25۔ علم کے میدان کی عاجزی دوسری بڑی شرط ہے۔

26۔ صبر تیسری بڑی شرط ہے۔

27۔ رولز کو ماننا ہے، زیادہ اور بے مقصد سوالات نہیں کرنے۔

سورۃ کہف کی روشنی میں علم حاصل کرنے کے آداب

1۔ صبر۔

2۔ انکساری اور عاجزی۔

3۔ مستقل مزاجی۔

4۔ انتھک محنت۔

5۔ اپنی غلطی مان لینا۔

6۔ بہت کثرت سے سوال نہ کرنا۔

7۔ استاد کے عمل سے بدگمان نہ ہونا، اور حکمت معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

علم حاصل کرنے کے آداب۔

حدیث۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ اللہ خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اللہ اس کو دین کی سمجھ خوب عطا کرتے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے علم میں مشغول ہونا نفلی عبادت سے افضل ہے۔

2۔ علم کا نفع عام کرنا ہے، نفلی عبادت کا نفع صرف عبادت گزار تک ہے۔

3۔ علم سے ہی عبادات کی اصلاح ممکن ہے۔

4۔ اس دل میں علم داخل نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا محل ہو۔

5۔ جو قلب علم قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کو علم کی برکات نظر آتی ہیں

6۔ اللہ کی رضا کی طلب کرنے کے لئے ہی علم حاصل کرنا مقصد ہونا چاہیے۔

قرون اولیٰ کی مثالیں۔

1۔ عبداللہ بن عمر سے ایک استاد نے کہا کہ اے ابن عمر اپنے دین کی حفاظت کرو۔ دین تمہارا گوشت اور خون ہے اور دیکھو کہ تم کس سے علم دین حاصل کروگے۔ ان لوگوں سے حاصل کرو جن میں دینی استقامت ہے اور ان لوگوں سے دینی علم حاصل نہ کرو جن میں ٹیڑھا پن ہے۔ حضرت علی نے کوفہ کی جامع مسجد میں اعلان کیا کہ تم لوگ دیکھو کہ کس سے علم لیتے ہو کیونکہ یہ تمہارا دین ہے۔

2۔ ایک اور قول کہ یہ علمِ دین ہے پس تم دیکھو کہ کس سے حاصل کرتے ہو۔ ابنِ عباس آخری زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ جب ہم کسی کو قالَ رسول اللہؐ کہتے سُنتے تھے تو ہماری نظریں فوراً اُسکی طرف اُٹھتی تھیں، اور ہم کان دھر کر سُننے لگتے تھے۔ اب جب کہ لوگ ہر غلط اور صحیح کو بیان کرنے لگے تو ہم اُنہی عالم سے علم حاصل کرتے ہیں، جسکو پہچانتے ہیں۔

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ یہ علم دین بھی دین ہے۔ تم دیکھو کہ کس سے حاصل کرتے ہو اور مسجد نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے کہ میں نے ان کے پاس 70 اہلِ علم کو دیکھا جن میں سے ہر ایک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا تھا، مگر میں نے ان میں سے کچھ علم حاصل نہیں کیا، حالانکہ اگر ان میں سے ہر ایک کو بیت المال کا نگران بنایا جاتا تو امین ہوتا۔ اس کے باوجود وہ

حضرات علم حدیث کے آدمی نہیں تھے۔ ہر عالم جو حدیث اور فتوٰی کے لیے مجلس قائم کرنا چاہتا تھا، قائم نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک کہ اہل علم فضل و اصلاح، عرب مسجد نبوی کے اہل علم سے مشورہ ہوتا تھا۔ ہر ایک کو سکول یا مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ جب تک ستر اہل علم نے میری علم کی شہادت نہیں دی میں بھی مجلس میں نہیں بیٹھا۔

اُس دور کے بچوں کا علم کے ساتھ کیسا تعلق تھا؛

ایک کہتے ہیں کہ میں کہ کئی دن کی مسافت طے کر کے عالم کے پاس جاتا تھا تا کہ ان سے حدیث کا سماع کروں۔ میں اس کی نماز کو مد نظر رکھتا تھا اگر میں دیکھتا کہ وہ صحیح طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے تو میں اس کے ہاں قیام کرتا اور اگر میں دیکھتا ہے کہ نماز میں بھی بے پرواہی ہے تو میں یہ کہہ کر واپس آجاتا ہے کہ یہ شخص جو نماز میں غفلت برت رہا ہے تو دوسرے امور میں بھی غیر ذمہ دار ہو گا۔ پہلے زمانے میں لوگ سند کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو گیا اور پھر سند کے بارے میں سوال کرنے لگ گئے تا کہ اہلِ سنت کی حدیث کو بیان کیا جائے اور بدعتی کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔ سند مومن کے لیے اسلحہ ہے۔ جب اس کے پاس اسلحہ نہیں ہو گا تو وہ اہل بدعت سے کس چیز کی جنگ کرے گا۔

علمی اسفار۔

اسفار سفر کی جمع ہے۔ عہد صحابہ میں علمی اور تعلیمی اسفار کا رواج عام نہیں تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ چونکہ سارے ہی مکہ مدینہ کے قریب تھے۔ عہد تابعین میں احادیث کی تفصیل کی ضرورت پڑی تو پھر اس کے لیے سفر ہونے لگے۔ خاص طور پر مدینہ منورہ کے فقہاء اور محدثین اس سلسلے میں حیثیت رکھتے ہیں۔ تابعین ان کے پاس آکر مطمئن ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ اگر لوگوں میں کوئی فتنہ برپا ہو اور لوگ اس کے لئے محفل مدینہ کی طرف رجوع کریں اور وہ کسی کے فیصلے

پر متفق ہو جائیں تو معاملہ درست رہے گا۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوے کی آواز نکالتا ہے تو اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تحقیق نہیں کرتے۔

طلب علم میں حسنِ نیت۔

اس چیز کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ ہوا پرستوں اور فتنہ پرستوں پر اس وقت نظر رکھی جاتی تھی اور اس طرح کی باتیں نہ ہوں کہ وہ استادوں کی طرف غلط باتیں منسوب کریں۔ حسن بصری ایسے خواہش پرست اور دنیادار لوگوں کے بارے میں بہت حساس تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس حلقے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں، جن کا مقصد علم سے صرف طلبِ دنیا ہے۔ اللہ تعالی اس بندے پر رحم کرے جو ہماری طرف غلط بات کی نسبت کرے۔

نوجوانوں میں علم دین کا ذوق۔

نوخیز اور نوجوان طلبہ نہایت ذوق و شوق اور حُسنِ نیت سے تابعین کی مجلس میں شامل ہوتے۔ ان کو بڑی محبت اور شفقت سے تعلیم دیتے۔ ان کی ہمت افزائی کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔

عقبہ بن ابی حکمانی کا بیان ہے کہ ہم چند لڑکے عطاح بن رباح کی مجلس میں تھے، انہوں نے ہم سے کہا کہ آؤ مجھ سے حدیث لو، تم میں سے جو اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہم اس کے لئے لکھ دیں گے اور جس کے پاس کاغذ نہیں ہو گا ہم اس کو کاغذ دیں گے۔ سعید بن مسیب مکتب کے بچوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ ہیں بچے جو ہمارے بعد کے عالم ہیں۔ حسن بصری کہا کرتے تھے کہ نوجوانوں کو ہمارے سامنے رکھو۔ ان کے دل فارغ ہوتے ہیں، جو سنتے ہیں یاد کر لیتے ہیں، ان میں سے اللہ جس کو چاہے گا علم دین دے گا۔ ابو بکر بن عیاش کی مجلس میں سے ایک شخص نے گزرتے ہوئے ان سے پوچھا بچے یہاں کیوں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا یہ لوگ تمہارے دین کی حفاظت کریں گے۔

دین کے ساتھ شوق۔

امام ربیع مدینہ کے اجواد اور اسخیاء میں سے تھے۔ بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔ انہوں نے چالیس ہزار درہم طلباء پر خرچ کیے۔ مشہور محدث عبد الوہاب بن عبد المجید کی سالانہ آمدنی چالیس ہزار تھی لیکن وہ تمام رقم صاحب حدیث پر خرچ کرتے تھے۔ اسماعیل بن عیاش کے بارے میں ابو خازی یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑا آدمی کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس جاتے تھے تو ہم کو بزغالہ اور حلوہ پیش کرتے تھے۔ عبد الرحمن بن ابو لیلہ کے مکان میں جب قراء جمع ہوتے تو پھر کھانا کھائے بغیر وہ ان کو نہیں لوٹنے دیتے تھے۔

ولید بن عبد الملک نے اہل علم فضل طلباء اور معززین کے لیے وظیفے جاری کیے۔

ابن ابو ایلی کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید مجھے چاندی کے ٹکڑے دیا کرتے تھے جن کو میں بیت المقدس کے قراء اور طلباء کو تقسیم کرتا تھا۔